بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ماہنامہ جرمنی

اخبار احمدیہ

جماعت احمدیہ جرمنی کا ترجمان

جلد نمبر۔12 مدیر: نعیم احمد نیّر کتابت وڈیزائننگ؛ رشید الدین، ماہ۔ظہور۔ھش، 1386 بمطابق۔اگست 2007ء شمارہ نمبر 9

احکام خداوندی

یقیناً اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر رحمت بھیجتے ہیں۔اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! تم بھی اس پر درود اور خوب خوب سلام بھیجو۔

(الاحزاب، آیت ۵۷، ترجمہ از حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ)

ارشادات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

حضورؑ اس آیت (الاحزاب، آیت ۵۷) کی تشریح میں فرماتے ہیں۔

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے اعمال ایسے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی تعریف یا اَوصاف کی تحدید کرنے کے لئے کوئی لفظِ خاص نہ فرمایا۔لفظ تو مل سکتے تھے لیکن خود استعمال نہ کئے۔یعنی آپؐ کے اعمالِ صالحہ کی تعریف، تحدید سے بیرون تھی۔اس قسم کی آیت کسی اور نبی کی شان میں استعمال نہ کی۔آپؐ کی روح میں وہ صدق و وفا تھا اور آپؐ کے اعمال خدا کی نگاہ میں اس قدر پسندیدہ تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کے لئے یہ حکم دیا کہ آئندہ لوگ شکرگزاری کے طور پر درُود بھیجیں۔

(ملفوظات جلد اوّل، صفحہ ۲۴ مطبوعہ ربوہ)

اس جلسے کے مقاصد میں سے سب سے بڑا مقصد یہ باور کرانا تھا کہ اس دنیا کو ہی سب کچھ نہ سمجھو، یہ دنیا چند روزہ ہے

حضرت مسیح موعودؑ اُس نبی کے غلام ہیں جس نبی پاک ﷺ نے اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لانے والے کو مہمان کی عزت اور تکریم کرنے کے لئے حکم دیا ہے

مورخہ 23 دسمبر 2005ء کو جلسہ سالانہ قادیان کے موقع پر حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے جو خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا، اس میں سے کچھ اقتباسات پیش کئے جا رہے ہیں۔

جلسہ سالانہ کا آغاز 1891ء میں اس چھوٹی سی بستی میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا۔اور اس کا مقصد اللہ اور اس کی مخلوق سے، اللہ تعالیٰ کے حکموں پر عمل کرنے والے لوگوں کا، مومنوں کا ایک تعلق جوڑنا تھا۔

اس جلسے کے مقاصد میں سے سب سے بڑا مقصد یہ باور کرانا تھا کہ اس دنیا کو ہی سب کچھ نہ سمجھو، یہ دنیا چند روزہ ہے، آخر کو انسان نے خدا کے حضور حاضر ہونا ہے۔اس لئے اپنی آخرت کی بھی فکر کرو، اپنے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا کرو۔شیطان بہت سے دنیاوی لالچ دے گا لیکن اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں رکھتے ہوئے، اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگتے ہوئے شیطان کے حملوں سے بچنے کی کوشش کرو۔اپنے اندر زہد اور تقویٰ پیدا کرو۔خدا ترسی کی عادت ڈالو۔آپس میں محبت، پیار اور بھائی چارے کے تعلقات پیدا کرو۔کیوں کہ یہ آپس کے معاشرے کے تعلقات خدا تعالیٰ کا خوف اور زہد و تقویٰ پیدا کرنے کے لئے بھی ضروری ہیں۔اور اللہ تعالیٰ کا پیار حاصل کرنے کے لئے بھی ضروری ہیں۔شیطان کے حملوں سے بچنا، اپنے بھائیوں کے حقوق ادا کرنا یہ سب چیزیں اس وقت ہوں گی جب افراد جماعت عاجزی کے بھی اعلیٰ معیار قائم کر رہے ہوں گے اور سچائی کے بھی اعلیٰ معیار قائم ہوں گے اور دین کو دنیا پر مقدم رکھنے اور اس کے لئے اپنے آپ کو پیش کرنے کے بھی اعلیٰ معیار قائم ہوں گے۔تو یہ ہے خلاصہ ان مقاصد کا جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جلسہ سالانہ منعقد کر کے حاصل کرنا چاہتے تھے۔....

...لیکن جب کام کی زیادتی ہو تو غیر ارادی طور پر بعض دفعہ کارکنان سے مہمانوں کی دل آزاری ہو جاتی ہے۔کارکنان کو بھی یہ بات یاد رکھنی چاہئے، جیسا کہ کل بھی میں نے مختصراً کارکنان کے معائنہ کے وقت خطاب میں کہا تھا کہ جو بھی حالات ہوں، انتہائی وسیع حوصلگی کا مظاہرہ کرنا چاہئے۔بعض دفعہ ایسے مواقع پیش آ جاتے ہیں کہ مہمان کی طرف سے کسی بات کا مطالبہ ہوتا ہے جو یا تو جلسے کے حالات کے مطابق جائز نہیں ہوتا یا فوری طور پر اس کو پورا کرنا ممکن نہیں ہوتا تو مہمان اس بات پر سخت رویہ اختیار کر لیتے ہیں اور جواباً کارکن بھی اسی رویہ کا مظاہرہ کرتے ہیں حالانکہ ایک کارکن کو زیب نہیں دیتا۔

جیسا کہ میں نے کہا تھا کہ ہر حالت میں اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کرنا ہے اس لئے احتیاط کریں۔بعض نئے معاونین بھی ہوتے ہیں جنہوں نے پہلی مرتبہ اس خدمت کا اعزاز پایا ہے بعض طبیعت کے لحاظ سے گرم مزاج کے یا غصیلے ہوتے ہیں۔وہ یاد رکھیں کہ اگر اپنی طبیعت پر کنٹرول نہیں تو ڈیوٹی سے معذرت کر دیں۔یہ زیادہ بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ بداخلاقی کا مظاہرہ کیا جائے جو کسی بھی صورت ایک احمدی کارکن کو زیب نہیں دیتا۔ہمیشہ یاد رکھیں کہ یہ خدا تعالیٰ کی خاطر آئے ہوئے مہمان ہیں۔اس لئے مومن کی یہ شان ہے کہ ان کا احترام کرے۔

اللہ تعالیٰ نے مومن متقی کی یہ نشانی بتائی ہے کہ (آل عمران.135)۔یعنی مومن غصہ کو دبانے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والے ہوتے ہیں۔تو جب عام انسان سے بھی اس سلوک کا حکم ہے تو جو اللہ تعالیٰ کی خاطر تکلیف برداشت کر کے آتے ہیں، ان سے تو بڑھ کر عفو اور درگزر کا سلوک ہونا چاہئے۔اور خدا تعالیٰ کے اس حکم پر بھی عمل ہونا چاہئے کہ (البقرہ۔84) یعنی لوگوں سے پیار اور محبت سے بات کیا کرو۔

یقیناً ممکن ہے کہ اپنے رویے کی سختی کے بعد آپ کے نرم رویے اور درگزر اور پیار کو دیکھ کر مہمان خود ہی شرمندہ ہو کر اپنے بے موقع مطالبے سے دست بردار ہو جائے۔اور جیسا کہ میں نے کہا ہے کہ یہ آنے والے مہمان نیک ارادے سے آنے والے ہیں یقیناً کارکنان کے اعلیٰ اخلاق کے رویے سے ان میں اپنے اندر تبدیلی پیدا کرنے کا احساس بڑھے گا جبکہ آپ کے سخت رویے سے سوائے کج بحثی یا جھگڑے کے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔...

آپ کسی جگہ کے خاص شہری ہونے یا کسی خاص قبیلے یا علاقے کے ہونے کی وجہ سے کام نہیں کر رہے بلکہ ایک احمدی ہونے کی حیثیت سے کر رہے ہیں اور کیوں کہ ہم نے اپنے آپ کو خدمت کے لئے پیش کیا ہے اس لئے ایک احمدی کا نمایاں وصف، چاہے وہ کہیں کا بھی شہری ہو یہ ہونا چاہئے کہ اس نے اپنے جذبات پر کنٹرول رکھتے ہوئے خدمت کرنی ہے، اپنے جذبات کو قابو میں رکھتے ہوئے خدمت کرنی ہے۔جیسا کہ میں نے کہا تھا ہر وقت یہ ذہن میں رکھیں کہ آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مہمانوں کی خدمت کر رہے ہیں تبھی آپ کا یہ جذبہ ہر وقت بیدار رہے گا۔اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اُس نبی کے غلام ہیں جس نبی پاک ﷺ نے اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لانے والے کو مہمان کی عزت اور تکریم کرنے کے لئے حکم دیا ہے۔اور فرمایا ہے کہ تین دن تک اس کی مہمان نوازی کرو۔اس طرف خاص توجہ دلائی ہے۔اللہ اور یوم آخرت پر ایمان سے مہمان نوازی کو باندھا ہے۔تو اس حدیث میں یہ تین دن کی مہمان نوازی کی جو ہدایت ہے یہ تو مہمان کو احساس دلانے کے لئے ہے کہ میزبان پر بوجھ نہ پڑے۔لیکن اگر نظام جماعت کی طرف سے زائد عرصہ کی میزبانی ہو رہی ہے تو آپ لوگوں نے جو اپنے آپ کو خدمت کے لئے پیش کیا ہے تو آپ سب کو، تمام کارکنوں کو اتنا عرصہ خوش دلی سے میزبانی کرنی چاہئے۔

باقی صفحہ ۲ پر

(کتاب، خطبات مسرور جلد سوم، صفحہ 731 تا 737)

سفرنامہ

پسِ دیوارِ برلن

محمد انیس دیالگڑھی

قسط سوم

پہلی جنگ عظیم جب طول پکڑ گئی اور معاشی حالات اس قدر بگڑ گئے کہ لوگوں کو روٹی بھی راشن پر ملنے لگی تو جرمنی کے اندر بھی خانہ جنگی کی کیفیت پیدا ہوگئی۔

یکم اگست 1914ء کو ایک نئی تحریک، جنگ اور حکومت کے خلاف چلائی گئی۔ احتجاجی طور پر کاروبار بھی بند کیا گیا۔ مگر حالات بد سے بدتر ہوتے چلے گئے۔

23 فروری 1915ء کو ''بریڈ کوپن'' کا آغاز ہوا۔ اپریل 1916ء میں چائے اور کافی بھی راشن پر ملنے لگی۔

دوسری طرف حکومت کے خلاف تحریک زور پکڑتی گئی Reichtag میں بڑے جوش وخروش اور زور وشور سے بحث ہونے لگی۔ ایک جرمن سیاست دان ''شائیڈے مَن'' Scheidemann نے جرمن ریپبلک کا نعرہ بلند کیا۔ بالآخر 9 نومبر 1918ء کو بادشاہت کا خاتمہ ہو کر جرمن ریپبلک وجود میں آئی۔ اُسی وقت ایک اور جرمن سیاستدان Liebknecht نے سوشل ری پبلک کا نعرہ بھی بلند کیا مگر اُس وقت اُس کی آواز نقار خانہ میں طوطی کی آواز ثابت ہوئی۔ بعد میں Liebknecht اور Rosa Luxemburg کو گولی سے اڑا دیا گیا کہ بعض کو کمیونزم کا نام سننا بھی گوارا نہ تھا۔

10 نومبر 1918ء کو ''عوامی نمائندگان کی کونسل'' Rat der Volksbeauftragten کی بنیاد رکھی گئی۔ اور اس کے بعد سے اسی رائش ٹاگ میں عوامی نمائندوں کے اجلاس ہونے لگے۔ اس سڑک کا نام جہاں پارلیمنٹ ہاؤس واقع ہے، جرمن سیاست دان شائیڈے مَن کے نام پر (Scheidemann str) شائیڈے مَن سٹریٹ رکھ دیا گیا۔ عوام الناس کی خوشی ناقابل بیان تھی۔ جنگ بندی بھی ہوگئی، بادشاہت بھی گئی اور عوام کی اپنی حکومت آ گئی۔ لوگوں کی حالت بھی بہتر ہونے لگی اور پھر انسان یہی سمجھنے لگا کہ اب یہ حالت قائم رہے گی اور بُرے حالات کبھی نہیں آئیں گے۔ جنگ بندی کے معاہدے بھی ہوئے مگر چند سالوں بعد پھر جنگ ہوئی اور پہلے سے زیادہ خوفناک اور تباہ کُن، اور امن کے تمام نعرے اور معاہدے دھرے کے دھرے رہ گئے۔

''فانیوں کی جاہ وحشمت پر بلا آوے ہزار
سلطنت تیری ہے جو رہتی ہے دائم برقرار''

پارلیمنٹ ہاؤس کی اِس عمارت کو اب پہلے سے بہت بہتر کیا گیا ہے۔ عمارت کے درمیان میں اُوپر شیشے کا ایک گنبد بنایا گیا ہے۔ لفٹ اور سیڑھیوں کے ذریعہ اِس گنبد تک پہنچا جا سکتا ہے۔ اس شیشے کے گنبد کا اوپر والا حصّہ کُھلا ہے اور اس کے اندر ایک پائپ نما حصّہ ہے جسکے ذریعہ سے پارلیمنٹ حال کے اندر کی ہوا کھینچ کر باہر نکالی جاتی ہے۔ اور تازہ ہوا بھی اسی کے ذریعہ سے اندر آتی ہے۔ تاہم درجہ حرارت کو کنٹرول کرنے کے لئے ایرکنڈیشن سسٹم بھی موجود ہے۔

جب ہم گنبد پر پہنچے تو اُس وقت شام کا اندھیرا روشنی کو دبانے کی کوشش کر رہا تھا۔ سورج ڈوب چکا تھا۔ مگر جرمنی کے چراغ کوئی مفلس کے چراغ تو تھے نہیں، انکے روشن ہوتے ہی ہر طرف منظر ماہ وآفتاب نظر آنے لگا۔ عمارتوں، سڑکوں اور گاڑیوں کی بتیاں روشن ہو چکی تھیں۔ اِس جُھٹ پُٹے میں اندھیرے اور روشنی کے امتزاج سے برلن ایک مسحور کُن افسانوی شہر لگ رہا تھا۔

اس موقع پر ہمارے گروپ کے بعض بذلہ سنج طبائع کی رگِ ظرافت جو پھڑکی تو اُن کی ستم ظریفی کا رُخ سیاست دانوں کی طرف ہوگیا۔ اُس وقت اُن کی ''گُل افشانیٔ گفتار'' دیدنی تھی، مگر پھر زہر فشانی میں بدل گئی اور پھر اخلاقی حدود پھلانگنے لگی۔ ایک لطیفہ جو ہلکا پھلکا ہے بیان کئے دیتا ہوں۔ کہتے ہیں کہ جرمنی کی چانسلر محترمہ ''میئر کل'' صاحبہ نے چانسلر بننے سے کچھ عرصہ قبل انگلش سیکھنی شروع کی اور جب چانسلر بن گئیں تو اُن کی ایک ضروری میٹنگ امریکہ کے صدر ''جارج بُش'' اور برطانیہ کے وزیراعظم ''ٹونی بلیئر'' کے ساتھ ہوئی۔ میٹنگ طول پکڑ گئی تو مسٹر ٹونی بلیئر نے کہا اب وقفہ کرتے ہیں اور یہ بھی کہا کہ ''آئی ایم ہنگری'' اس پر مسٹر جارج بُش نے کہا کہ ''آئی ایم ہنگری ٹو''۔ محترمہ انجیلا میئر کل صاحبہ نے بے اختیار کہا کہ ''آئی ایم ہنگری تھری''۔

لطیفوں سے یاد آیا کہ طارق ارشد کے دو عدد موبائل فون بھی لطیفے کا کام ہی دیتے تھے۔ دونوں اکثر بجتے رہتے تھے۔ ایک تو باقاعدہ ''کھڑکتا'' تھا۔ بے چارہ بند بھی نہیں کر سکتا تھا کہ پیچھے کاروبار کا بھی فکر تھا۔ طارق ارشد پھولوں کی دکانوں کا مالک ہے۔ یعنی نکہت وگُل کی طرح ''جدھر جاوے مہکتا جاوے''۔ اکثر کاروباری فون آتے اور انکا مفہوم یہی ہوتا کہ

''چلے بھی آؤ کہ گلشن کا کاروبار چلے''

جوں ہی فون بجتا سارے مسافر کِھل کھلا کر ہنستے اور طارق کی طرف دیکھنا شروع کر دیتے اور طارق کے چہرے پر دل آویز مگر معذرت خواہانہ مسکراہٹ پھیل جاتی۔ دل میں یہی سوچتا ہوگا،

''گُلشن پرست ہوں مجھے گُل ہی نہیں عزیز
کانٹوں سے بھی نباہ کئے جا رہا ہوں میں''۔

البتہ شام کو ان موبائل فونز سے پورا پورا فائدہ اُٹھایا جاتا اور دوستوں کو سارے دن کی رپورٹ دی جاتی۔ مکرم مقصود الحق صاحب اور نعیم نیّر صاحب کو بڑے اہتمام سے فون کیا جاتا اور وہ ہماری رپورٹ کے منتظر بھی ہوتے۔ گویا وہ بھی ہمارے ہم سفر تھے۔ نعیم نیّر صاحب کا تو ہر بار یہی تقاضا تھا کہ یار صرف فون پر ہی بتاتے رہو گے یا کچھ لکھ کر بھی دو گے؟ اور طارق ارشد بڑے وثوق سے کہتا کہ ہاں ہاں کیوں نہیں؟ ضرور لکھیں گے، انیس جو میرے ساتھ ہے، یہ آخر کس مرض کی دوا ہے؟۔ اور ہم کسی مرض کی دوا تھے یا نہیں مگر اب لکھ لکھ کر مریض ہوتے جا رہے ہیں۔ اتنا اگر اسکول میں لکھا ہوتا تو اُردو کے اساتذہ کی مار سے محفوظ رہتے اور کچھ بن بھی جاتے مگر اب پچھتاوے کیا ہووت...

اگر ہاتھ سے وقت جاوے نکل
پھر ہاتھ مل مل کے رونا ہے کل

شام کے کھانے کے بعد ہم لوگ پھر فارغ تھے۔ برانڈن برگ (Brandenburg Tor) گیٹ قریب ہی تھا لہٰذا وہاں سے زمین ناپنی شروع کی اور پھر جب تک پاؤں نے ساتھ دیا ہم چلتے رہے۔ برانڈن برگ گیٹ پوری دنیا میں مشہور ہے۔ کہ یہاں سے برلن مشرق اور مغرب میں تقسیم بھی ہوتا تھا اور ملتا بھی تھا، باقی سب طرف دیوار تھی۔ برانڈن برگ گیٹ کو بھی سابق مشرقی جرمنی والوں نے بند کر دیا تھا اسی مقام پر مشہور ومعروف ''چارلی چیک پوسٹ'' تھی۔ یہاں پر دیوارِ برلن کے پیچھے ایک اور دیوار تھی اور ان دونوں دیواروں کے درمیان نہ صرف فوجیوں کی چوکیاں تھیں جہاں وہ ہر وقت بندوقیں تانے رہتے تھے بلکہ دونوں دیواروں کے درمیان بارودی سرنگیں بھی بچھا دی گئی تھیں۔ فرار ہونے والوں کے لئے ساری راہیں بند تھیں، تب بھی انسان جو آزادی کا خواہش مند ہے کوشش کرتا ہی رہا۔ اکثر نے جانیں گنوا دیں۔ برلن شہر سے مشہور دریا ''سپرے'' بھی گزرتا ہے۔ پانی تو ملکی حدود اور قوانین کا پابند نہیں ہوتا، لہٰذا یہ دریا برلن کے دونوں حصّوں میں آزادی سے بہتا رہا۔ مگر جہاں سے یہ دریا مشرقی برلن سے مغربی برلن میں داخل ہوتا ہے وہاں خاردار تاریں اور بارودی سرنگیں بچھا دی گئیں تھیں تا کوئی تیر کر مغربی حصّہ میں نہ چلا جائے۔ برانڈن برگ گیٹ بڑا بارونق علاقہ ہے اور یہاں خصوصاً غیر ملکی سیاحوں کی بڑی تعداد ہر وقت موجود ہوتی ہے۔ یہاں دکانیں بھی بہت ہیں اور تقریباً ہر دکان میں دیوار برلن کے ٹکڑے برائے فروخت رکھے ہوئے تھے۔ اکثر سیاح جو برلن آتے ہیں دیوار برلن کے ٹکڑے ضرور خریدتے ہیں۔ لگتا ہے ناصر کاظمی بھی اس شہر میں آیا ہوگا۔ تبھی تو اُس نے کہا تھا کہ

کچھ یادگارِ شہرِ ستمگر ہی لے چلیں
آئے ہیں اس گلی میں تو پتھر ہی لے چلیں۔

(باقی انشاءاللہ آئندہ)

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

بقیہ۔ خطبہ جمعہ قادیان سے اقتباسات

پھر کچھ عرصہ بعد آخری عمر میں (حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے) کام کی زیادتی کی وجہ سے، طبیعت کی وجہ سے بھی اور مہمانوں کی زیادہ آمد کی وجہ سے بھی خود تو اس طرح براہ راست نگرانی نہیں کر سکتے تھے تو لنگر خانے کے، مہمان خانے کے نگران کو ہدایت کی کہ مہمانوں کا خیال رکھا کرو۔ میں نے تم پر اعتماد کیا ہے اس اعتماد پر پورا اترو۔ تو بہرحال یہ مثالیں دینے کا مقصد یہ ہے کہ اب ان جلسوں پر آپ لوگ ہیں یا کارکنان ہیں جن پر اعتماد کیا جاتا ہے کہ مہمانوں کی خدمت کریں۔ اس لئے پوری طرح حقِ مہمان نوازی ادا کریں۔ ہمیشہ یاد رکھیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مہمان جو یہاں آتے ہیں ان میں امیر بھی ہوتے ہیں غریب بھی ہوتے ہیں لیکن آپ نے ان سب کی خدمت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مہمان سمجھ کر کرنی ہے۔ **حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جلسے کے دنوں میں جو یہ حکم دیا ہوا تھا کہ ایک ہی کھانا پکا** کرے گا اس لئے تھا کہ سب مہمان برابر اور ایک طرح ٹریٹ (Treat) کئے جائیں، ایک طرح ان کی خدمت کی جائے تا کہ مہمانوں کی مہمان نوازی میں کسی قسم کی تخصیص نہ ہو کہ یہ خاص مہمان ہیں اور یہ عام مہمان ہیں۔ تو آج بھی یہ روایت قائم ہے۔ لنگر خانوں میں ایک طرح کا کھانا پکتا ہے بلکہ بعض لوگ اپنے گھروں میں ٹھہرنے والے مہمانوں کے لئے علیحدہ کھانا بھی تیار کرتے ہیں لیکن اکثر یہ ہوتا ہے کہ مہمان لنگر خانے کے کھانے کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔

تو بہرحال بات یہ ہو رہی تھی کہ مہمانوں کی عزت اور احترام اور تکریم کرنی ہے۔ اور جیسا کہ میں نے کہا بعض دفعہ ایسے مواقع پیدا ہو جاتے ہیں کہ سختی کرنے کی مجبوری ہوتی ہے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی غیر ارادی طور پر سختی ہو جاتی ہے۔ لیکن ایک کارکن کو اخلاق کے اعلیٰ معیار قائم کرنے کے لئے تب بھی جذبات پر کنٹرول کرنا چاہئے۔ غلطی سے کوئی لفظ نکل بھی جائے تو فوری طور پر معافی مانگ کر معاملہ رفع دفع کرنا چاہئے۔.....

پھر میں مہمانوں سے بھی یہ بات کہنا چاہتا ہوں کہ آپ لوگ جو ایک نیک مقصد کے لئے یہاں آ رہے ہیں اس مقصد کو حاصل کرنے کی طرف ہمیشہ نظر رکھیں۔ اپنے میزبانوں سے انتظامیہ سے غیر ضروری توقعات وابستہ نہ کریں۔ بے آرامی بھی اگر ہو تو اس کو برداشت کریں۔ جلسے کے یہ چند دن ہیں اور پھر آپ آئے بھی اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے ہیں۔.....

(از کتاب، خطبات مسرور جلد سوم، صفحہ 731 تا 737)

تاریخ اسلام کا ایک ورق

شوال ۳ھ مطابق مارچ ۶۲۴ء

جنگِ اُحد

آخری قسط

قریش نے دوسرے صحابہؓ کی نعشوں کے ساتھ بھی کم وبیش یہی وحشیانہ سلوک کیا تھا، چنانچہ آنحضرت ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی عبداللہ بن جحشؓ کی نعش کو بھی بُری طرح بگاڑا گیا تھا۔ جُوں جُوں آنحضرت ﷺ ایک نعش سے ہٹ کر دُوسری نعش کی طرف جاتے تھے، آپ کے چہرہ پر غم والَم کے آثار زیادہ ہوتے جاتے تھے۔ غالبًا اسی موقعہ پر آپؐ نے فرمایا کہ کوئی جا کر دیکھے کہ سعد بن الربیع رئیس انصار کا کیا حال ہے۔ آیا وہ زندہ ہیں یا شہید ہو گئے؟ کیوں کہ میں نے لڑائی کے وقت دیکھا تھا کہ وہ دشمن کے نیزوں میں بری طرح گھرے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ کے فرمانے پر ایک انصاری صحابی اُبَی بن کعب گئے اور میدان میں اِدھر اُدھر سعد کو تلاش کیا مگر کچھ پتہ نہ چلا۔ آخر انھوں نے اونچی اونچی آوازیں دینی شروع کیں اور سعد کا نام لے لے کر پکارا مگر پھر بھی کوئی سراغ نہ ملا مایوس ہو کر وہ واپس جانے کو تھے کہ انہیں خیال آیا کہ میں آنحضرت ﷺ کا نام لیکر تو پکاروں شاید اس طرح کچھ پتہ چل جاوے، چنانچہ انھوں نے بلند آواز سے پکار کر کہا "سعد بن ربیع کہاں ہیں مجھے رسول اللہ نے اُن کی طرف بھیجا ہے"، اس آواز نے سعد کے نیم مردہ جسم میں ایک بجلی کی لہر دوڑا دی اور انھوں چونک کر مگر نہایت دھیمی آواز میں جواب دیا۔ کون ہے میں یہاں ہوں۔ اُبَی بن کعب نے غور سے دیکھا تو تھوڑے فاصلہ پر مقتولین کے ایک ڈھیر میں سعد کو پایا جو اسوقت نزع کی حالت میں جان توڑ رہے تھے۔ اُبَی بن کعب نے اُن سے کہا مجھے آنحضرت ﷺ نے اس لیے بھیجا ہے کہ میں تمھاری حالت سے آپ ﷺ کو اطلاع دوں۔ سعد نے جواب دیا کہ رسول اللہ سے میرا اسلام عرض کرنا اور کہنا کہ خدا کے رسولوں کو جو ان کے متبعین کی قربانی اور اخلاص کی وجہ سے ثواب ملا کرتا ہے خدا آپ ﷺ کو وہ ثواب سارے نبیوں سے بڑھ چڑھ کر عطا فرمائے اور آپ ﷺ کی آنکھوں کو ٹھنڈا کرے اور میرے بھائی مسلمانوں کو بھی میرا اسلام پہنچانا اور میری قوم سے کہنا کہ اگر تم میں زندگی کا دم ہوتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کو کوئی تکلیف پہنچ گئی تو خدا کے سامنے تمھارا کوئی عذر نہیں ہوگا۔ یہ کہہ کر سعد نے جان دے دی۔

اُحد کے شہداء میں ایک صاحب مصعب بن عمیر تھے یہ وہ سب سے پہلے مہاجر تھے جو مدینہ میں اسلام کے مبلغ بنکر آئے تھے۔ زمانہ جاہلیت میں مصعب مکہ کے نوجوانوں میں سب سے زیادہ خوش پوش اور بانکے سمجھے جاتے تھے اور بڑے ناز ونعمت میں رہتے تھے اسلام لانے کے بعد ان کی حالت بالکل بدل گئی چنانچہ روایت آتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک دفعہ اُن کے بدن پر ایک کپڑا دیکھا جس پر کئی پیوند لگے ہوئے تھے آپ کو ان کا وہ پہلا زمانہ یاد آ گیا تو آپ چشم پُر آب ہو گئے۔ اُحد میں جب مصعب شہید ہوئے تو ان کے پاس اتنا کپڑا بھی نہیں تھا کہ جس سے ان کے بدن کو چھپایا جا سکتا، پاؤں ڈھانکتے تھے تو سر ننگا ہو جاتا تھا اور سر ڈھانکتے تو پاؤں کھل جاتے تھے چنانچہ آنحضرت ﷺ کے حکم سے سر کو کپڑے سے ڈھانک کر پاؤں کو گھاس سے چھپا دیا گیا۔

نعشوں کی دیکھ بھال کے بعد تکفین کا کام شروع ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو کپڑے شہداء کے بدن پر ہیں وہ اسی طرح رہنے دیئے جائیں اور شہداء کو غسل نہ دیا جاوے البتہ کسی کے پاس کفن کے لیے زائد کپڑے ہو تو وہ پہنے ہوئے کپڑوں کے اوپر لپیٹ دیا جاوے نماز جنازہ بھی اُس وقت ادا نہیں کی گئی چنانچہ بغیر غسل دیئے اور بغیر نماز ادا کیے شہداء کو دفنا دیا گیا اور عموماً ایک ایک کپڑے میں دو دو صحابیوں کو اکھٹا کفنا کر ایک ہی قبر میں اکھٹا دفن کر دیا گیا۔ جس صحابی کو قرآن شریف زیادہ آتا تھا اُسے آنحضور ﷺ کے ارشاد کے ماتحت لحد میں اتارتے ہوئے مقدم رکھا جاتا تھا۔ گو اس وقت نماز جنازہ ادا نہیں کی گئی لیکن بعد میں زمانہ وفات کے قریب آنحضرت ﷺ نے خاص طور پر شہداء اُحد پر جنازہ کی نماز ادا کی اور بڑے دردِ دل سے اُن کے لیے دُعا فرمائی۔ آپ ﷺ اُحد کے شہداء کو خاص محبت اور احترام سے دیکھتے تھے۔ ایک دفعہ آپ ﷺ اُحد کے شہداء کی قبروں کے پاس سے گذرے اور فرمایا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے ایمان کا میں شاہد ہوں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا ہم ان کے بھائی نہیں ہیں کیا ہم نے اُنہیں کی طرح اسلام قبول نہیں کیا؟ کیا ہم نے انہی کی طرح خدا کے رستے میں جہاد نہیں کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں لیکن مجھے کیا معلوم ہے کہ میرے بعد تم کیا کیا کام کرو گے۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ رو پڑے اور بہت روئے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کیا ہم آپؐ کے بعد زندہ رہ سکیں گے۔ صحابہ بھی اُحد کے شہداء کی بڑی عزت کرتے تھے اور اُحد کی یاد کو ایک مقدس چیز کے طور پر اپنے دلوں میں تازہ رکھتے تھے؛ چنانچہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے سامنے افطاری کا کھانا آیا جو غالبًا کسی قدر پُر تکلف تھا اس پر انہیں اُحد کا زمانہ یاد آ گیا جب مسلمانوں کے پاس اپنے شہداء کو کفنانے کے لیے کپڑا تک نہیں تھا اور وہ ان کے بدنوں کو چھپانے کے لیے گھاس کاٹ کاٹ کر ان پر لپیٹتے تھے اور اس یاد نے عبدالرحمٰن بن عوف کو ایسا بے چین کر دیا کہ وہ بے تاب ہو کر رونے لگ گئے اور کھانا چھوڑ کر اُٹھ کھڑے ہوئے حالانکہ وہ روزے سے تھے۔

سارے انتظامات سے فارغ ہو کر آنحضرت ﷺ شام کے قریب مدینہ کی طرف روانہ ہوئے راستہ میں عقیدت کیش دُور دُور تک آگے آئے ہوئے تھے۔ ایک انصاری عورت سخت گھبراہٹ کی حالت میں گھر سے نکل کر اُحد کے راستہ پر آ رہی تھی کہ راستہ میں اسے وہ صحابی ملے جو اُحد سے واپس آ رہے تھے اور جن میں آنحضرت ﷺ بھی تھے۔ صحابہ نے اُسے اطلاع دی کہ تمھارا باپ اور بھائی اور خاوند سب اُحد میں شہید ہوئے۔ مخلص خاتون جو آنحضرت ﷺ کی خیریت سُننے کے لیے بے تاب ہو رہی تھی بے چین ہو کر بولی مجھے یہ بتاؤ کہ رسول خدا ﷺ کا کیا حال ہے؟ انھوں نے کہا رسول اللہ تو خدا کے فضل سے بخیرت ہیں اور یہ تشریف لا رہے ہیں۔ جب اس کی نظر آنحضرت ﷺ پر پڑی تو بے اختیار ہو کر بولی "كُلُّ مُصِيبَةٍ بَعْدَكَ جَلَلٌ" اگر آپ ﷺ زندہ ہیں تو پھر سب مصیبتیں ہیچ ہیں۔

جب آنحضرت ﷺ مدینہ میں پہنچے اور انصار کے گھروں کے پاس سے گذرے تو گھر گھر سے رونے چلانے کی آوازیں آتی تھی اور عورتیں عرب کی قدیم رسم کے مطابق نوحہ کر رہی تھیں۔ آپؐ نے یہ نظارہ دیکھا تو مسلمانوں کی تکلیف کا خیال کر کے آپ کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں پھر آپ نے ان کو تسلی دینے کے خیال سے فرمایا لٰكِنْ حَمْزَةُ فَلَا بَوَاكِيَ لَهُ یعنی ہمارے چچا اور رضائی بھائی حمزہ بھی شہید ہوئے ہیں مگر کسی عورت نے اس طرح ان کا ماتم نہیں کیا۔ رؤساء انصار سمجھے کہ آپ شاید اس حسرت کا اظہار فرما رہے ہیں کہ اس غریب الوطنی کی حالت میں حمزہ کو کوئی رونے والا نہیں۔ وہ فوراً اپنی عورتوں کے پاس گئے اور کہا کہ بس اب اپنے مردوں پر رونا بند کرو اور آنحضرت ﷺ کے مکان پر جا کر حمزہ کا ماتم کرو (اللہ اللہ! اس غلط فہمی میں بھی کیا جذبہ اخلاص مخفی تھا) آنحضرت ﷺ نے اپنے مکان پر ماتم کا شور سنا تو پوچھا یہ کیسا شور ہے؟ عرض کیا گیا انصار کی عورتیں حمزہ کا نوحہ کرتی ہیں۔ آپؐ نے اُن کی محبت کی قدر کرتے ہوئے ان کے واسطے دعائے خیر فرمائی لیکن ساتھ ہی فرمایا کہ اس طرح نوحہ کرنا اسلام میں منع ہے۔ اور آئندہ کے لیے نوحہ کی رسم یعنی بین کرنا یا پیٹنا یا بال نوچنا وغیر ذالک، اسلام میں ممنوع قرار دیدی گئی۔ ایک نوجوان صحابی آپؐ کے سامنے آئے اور آپؐ نے دیکھا کہ ان کا چہرہ اپنے باپ کی شہادت پر مغموم ہے۔ فرمایا جابر کیا میں تمھیں ایک خوشی کی خبر سناؤں؟ جابر نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ، آپؐ نے فرمایا جب تمھارے والد شہید ہو کر اللہ کے حضور پیش ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اُن سے بے حجاب ہو کر کلام فرمایا اور فرمایا کہ جو مانگنا چاہتے ہو مانگو، تمھارے باپ نے عرض کیا۔ اے میرے اللہ تیری کسی نعمت کی کمی نہیں ہے لیکن خواہش ہے کہ پھر دنیا میں جاؤں اور تیرے دین کے رستے میں پھر جان دُوں۔ خدا نے فرمایا ہم تیری اس خواہش کو بھی ضرور پورا کر دیتے لیکن ہم یہ عہد کر چکے ہیں کہ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ۔ یعنی کوئی مردہ پھر زندہ ہو کر اس دنیا میں نہیں آ سکتا۔ جابر کے والد نے کہا تو پھر میرے بھائیوں کو میری اطلاع دے دی جاوے تا کہ ان کی جہاد کی رغبت ترقی کرے۔ اس پر یہ آیت اُتری کہ جو لوگ خدا کے رستے میں شہید ہوتے ہیں انہیں مردہ نہ سمجھا کرو بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے خدا کے پاس خوشی کی زندگی گذار رہے ہیں۔ حضرت سعد بن معاذ رئیس قبیلہ اوس نے بوڑھی والدہ کو آنحضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا آپ ﷺ نے اُن سے اُن کے لڑکے عمرو بن معاذ کی شہادت پر اظہار ہمدردی کیا۔ انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ جب آپؐ سلامت ہیں تو ہمیں کیا غم ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆

صدقہ کی برکات

حضرت ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب سابق مہر سنگھ کا بیان ہے کہ "ابتدائی زمانہ میں (قادیان میں) نہ کوئی ہسپتال تھا، نہ سیونگ بینک ڈاکخانہ کا۔ اکثر لوگ حضرت مولوی صاحب (خلیفۃ المسیح الاوّلؓ) کے پاس اپنا روپیہ جمع کروا دیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ ایک مہمان نے کہا کہ میں نے ۴ بجے شام کی گاڑی پر وطن جانا ہے۔ میرا روپیہ دے دیں۔ مجھے معلوم تھا کہ اس وقت آپ کے گھر میں روپیہ موجود نہیں۔ کیوں کہ اکثر میں ہی گھر کا کام کاج کرتا اور سودا لایا کرتا تھا۔ بلکہ برسات میں کوٹھے پر مٹی بھی ڈالا کرتا تھا۔ حضرت مولوی صاحب نے اپنی صدری کی جیب میں سے دو روپے مجھے نکال کر دیئے اور فرمایا کہ فلاں بیوہ کے گھر دے آؤ۔ میں نے تعمیل ارشاد کی۔ اور پھر آپ کے مطب میں آ کر بیٹھ گیا۔ ۱۲ بجے کے قریب ایک غیر معروف شخص آیا۔ اس نے ایک سو تراسی روپے چاندی کے مولوی صاحب کے سامنے رکھ دیئے۔ ہم نہیں جانتے تھے کہ یہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے۔ وہ روپیہ ڈال کر چلتا ہوا۔ حضرت مولوی صاحب نے مجھے فرمایا کہ وہ مہمان جو روپیہ مانگتا تھا کہاں ہے۔ میں نے عرض کی کہ مہمانخانہ میں ہے، فرمایا اس کو بلا لاؤ۔ چنانچہ میں اسے بلا لایا۔ اس پر مولوی صاحب نے فرمایا کہ بھائی اپنا یہ روپیہ لے لو۔ اس پر مہمان نے معذرت کی کہ حضور کو تکلیف ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ ہم نے تو اللہ تعالیٰ سے سودا کیا تھا کہ دو روپے کسی مستحق بیوہ کو دیئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلہ میں یہ روپیہ بھیج دیا"

(حیاتِ نور، صفحہ ۵۵۴)

Vol. 12 Monthly Akhbar-e-Ahmadiyya Germany Issue 9
National Shoba Tasneef, Ahmadiyya Muslim Jamaat, Genfer Str.11, 60437 Frankfurt/M, Tel:069-50688652, Fax:069-50688666, Email: akhbar3@yahoo.com

نسلی عصبیت اور اس کے بھیانک نتائج

نوٹ .یہ اقتباس کتاب ''اسلام اور عصر حاضر کے مسائل کا حل'' صفحہ نمبر 145تا 147،از حضرت مرزاطاہر احمدرحمہ اللہ تعالیٰ ،سے لیا گیا ہے.اس کا جرمن ترجمہ آخری مراحل میں ہے اور جلد ہی چھپ کر آنے والا ہے .احباب شعبہ اشاعت سے خرید کر اپنے بچوں کو پڑھائیں نیز پڑھے لکھے طبقہ تک جلد جلد پہنچائیں تا دنیا ان بدلتے ہوئے حالات کو سمجھے اور معاشرے میں پھیلی ہوئی قدورتیں کم ہو کر امن کی فضاء پیدا ہو.(مدیر)

نسل پرستی کے فساد کی جڑ دراصل طبقاتی تعصب ہی ہے اور غالبًا یہی اسکی موزوں ترین تعریف بھی ہے جب بھی ایک طبقہ کے لوگ اپنے مفادات کی خاطر دوسرے طبقہ کے خلاف تعصب برتنے لگتے ہیں تو نسلی عصبیت کا ناگ اپنا زہریلا اور بھیانک سر اٹھاتا ہے پھر نفرتوں کی ایک ایسی آندھی چلتی ہے جو نیک و بد میں تمیز نہیں کیا کرتی اچھے بُرے ،چھوٹے بڑے سب اس کی لپیٹ میں آجاتے ہیں اور معاشرہ نفرتوں کی آماہ جگاہ بن جاتا ہے

چند صدیاں پہلے کرۂ ارض کا مغربی حصہ بڑی حد تک عیسائیت اور اسلام کے درمیان تقسیم تھا اور یہ دونوں مذاہب ایک دوسرے کے مقابل صف آرا تھے مذہبی تعصب کے اس دور میں یہود نے مسلمانوں کے خلاف جو کردار ادا کیا وہ عام طور پر لوگوں کے علم میں نہیں ہے تا ہم اس حقیقت سے سب آگاہ ہیں۔ یہود، مسیحی یورپ ہی کا حصہ تھے اور یورپ بحیرہ روم کے گرد آباد مسلمان اقوام سے سخت متنفر تھا اور ان کے متعلق ہمیشہ ہی بداعتمادی کا شکار رہا۔اہل یورپ مغرب کی جانب مسلمانوں کی پیش قدمی سے خوفزدہ تھے۔عیسائیوں اور مسلمانوں کے مابین اس شدید مخالفت کے دور میں نسلی تعصب کا ایک ایسا عنصر بھی موجود تھا جس کی بنیاد رنگ کا اختلاف تھا۔ مسلمانوں اور عیسائیوں کی یہ کشمکش زیادہ تر ترک عرب اتحاد اور مسیحی یورپ کے مابین ایک جنگ دکھائی دیتی ہے ۔جبکہ انڈونیشا، ملائیشیا ،چین اور ہندوستان کے مسلمان اس جھگڑے سے بلکل لاتعلق اور الگ تھلگ رہے ہیں

اگرچہ بظاہر اس دور کی تاریخ ماضی کے دھندلکوں میں دفن ہو چکی ہے اور اس کی یادیں انسانی حافظہ سے محو ہو چکی ہیں لیکن میں اس دبی ہوئی آگ کو پھر سے سلگتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔انسانی مسائل ہمیشہ کے لیے کبھی ختم نہیں ہوتے یہ جھگڑے تاریخ کے اندھیروں میں کیسے ہی گم کیوں نہ ہو چکے ہوں پھر بھی سر اٹھا سکتے ہیں ۔ماضی سے نکل کر زمانہ حال میں آجایئے ۔جب تک دنیا دو بڑی طاقتوں اور انکے اتحادیوں میں بٹی رہی مغرب کے مفاد کے لیے یہ ضروری تھا اس قسم کے صدیوں پرانے مسائل کو از خود نہ چھیڑا جائے اور نہ ہی کسی کو انہیں چھیڑنے کی اجازت دی جائے لیکن جب سے مشرق اور مغرب کے مابین تعلقات کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا ہے یوں معلوم ہوتا ہے جیسے دنیا پھر سے قرتون وسطی کے کسی جنگجو سردار کی چیرہ دستیوں کا شکار ہونے والی ہے۔

سوویت یونین اور مشرقی یورپ میں رونما ہونے والی عظیم الشان تبدیلیوں نے ایک ایسی فضا کو جنم دیا ہے جس سے عیسائیوں اور مسلمانوں کی پرانی مذہبی اور سیاسی رقابتوں کے پھر سے ابھرنے کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔دونوں طرف کے مفاد پرست اس آگ کو اور بھی ہوا دینے کا باعث بن سکتے ہیں ۔ مجھے اندیشہ ہے بلکہ غالب گمان ہے کہ اسلام اور عیسائیت دونوں کے مذہبی راہنما اس صورت حال کو اور بھی بگاڑ دیں گے اور یوں مسلمانوں اور عیسائیوں کے مابین امن اور آہنگی کے امکانات تاریک سے تاریک تر ہو جائیں گے ۔اگر ایسا ہوا تو اس کا فائدہ یقیناً اسرائیل کو ہوگا ۔ یہ ناممکن ہے کہ اسرائیل ایسی صورت حال میں کوئی دلچسپی نہ لے اور اسے خاموش تماشائی بنکر دور سے دیکھتا رہے ۔اب دنیا سیاسی اور معاشی بنیادوں پر بھی تقسیم ہو چکی ہے یہ تقسیم شمال کے امیر ممالک اور جنوب کے غریب ممالک اور مشرق و مغرب کے درمیان ایک جدید قسم کے نسلی تعصب کو جنم دے رہی ہے مشرق و مغرب کے درمیان حائل ان رقابتوں اور نفرتوں کے متعلق کسی نے کیا خوب کہا ہے East is East and West is West and never the twain shall meet

یعنی مشرق مشرق ہے اور مغرب مغرب ہے اور یہ دونوں کبھی اکھٹے نہیں ہو سکیں گے۔عالمی طاقتوں کی محاذ آرائی میں حالیہ کمی اور دوستانہ تعلقات کی بحالی سے اس بات کا امکان بھی ہے کہ مغرب کے عیسائی ممالک اور مشرق کے مسلمان ممالک کے درمیان پائے جانے والے قدیم مذہبی اور سیاسی اختلافات اور رقابتیں پھر سے زندہ ہو جائیں ۔بڑی طاقتوں کے مابین دوستانہ تعلقات کی بحالی سے اس بات کا امکان بھی ہے کہ مغرب کے عیسائی ممالک اور مشرق کے مسلمان ممالک کے درمیان پائے جانے والے قدیم مذہبی اور سیاسی اختلافات اور رقابتیں پھر زندہ ہو جائیں ۔بڑی طاقتوں کے مابین دوستانہ تعلقات کے استوار ہونے سے لازماً ایک نیا استعمار وجود میں آئے گا اور وسیع البنیاد نسلی عصبیت سر اٹھائے گی جس کے باعث مشرق اور مغرب کے درمیان پائے جانے والے فاصلے اگر اور بھی بڑھ جائیں تو اس پر تعجب نہیں ہونا چاہیے۔

کس حال میں ہیں یارانِ وطن

﴿کلامِ طاہر﴾

پُورب سے چلی پُرنَم پُرنَم بادِ رَوح و رَیحانِ وطن
اُڑتے اُڑتے پہنچے پچھّم سُندَر سُندَر مُرغانِ وطن
بَرکھا بَرکھا یادیں اُمڈیں ، طُو فاں طُوفاں جذبے اُٹّھے
سینے پہ بَلائیں بَرسانے ،لپکے باد و بَارانِ وطن
آ بیٹھ مُسافر پاس ذرا ، مُجھے قصّۂ اہلِ دَرد سُنا
اُن اہل وفا کی بات بتا ، ہیں جِن سے خفا سُکّانِ وطن
اور اُن کی جان کے دُشمن ہیں جو دِیوانے ہیں جانِ وطن
اے دیس سے آنے والے بتا،کس حال میں ہیں یارانِ وطن

۲

سَو بسم اللہ جو کُوئے دار سے چَل کر سُوئے یار آئے
سَر آنکھوں پر ہر راہِ خدا کا مسافر،سَو سَو بار آئے
لیکن یہ سب کے نصیب کہاں، ہر ایک میں کب یہ طاقت ہے
کہ پیار کی پیاس بجھانے کو وہ سات سَمَندَر پار آئے
مَیں اب سمجھا ہوں وہ کیفیت کیا ہوتی ہے جب دِل کو
ہر دُور اُفتادہ اُوَیس پہ لختِ جگر سے بڑھ کر پیار آئے
اِن مجبوروں کا حال بھلا کیا جانیں تَن آسانِ وطن
اے دیس سے آنے والے بتا کِس حال میں ہیں یارانِ وطن

۳

تو جَورو جفا کی نگری ،صبر و وفا کے دیس سے آیا ہے
ہے تجھ پہ عیاں مِرے پیاروں پر غیروں نے سِتَم جو ڈھایا ہے
آنکھوں میں رَقم شکووں کی کتھا ، آہوں میں بجھے نالوں کی صَدا
کیا میرے نام یہی ہیں بتا جو تُو سَندیسے لایا ہے؟
مِرے محبوبوں پر صبح و مَسا ، پڑتی ہے کیسی کیسی بَلا
مِری رُوح پہ ، بَرسوں بِیت گئے اِن اَندیشوں کا سایہ ہے
کیا ظُلم و سِتَم رہ جائیں گے اب دُنیا میں پَہچانِ وطن
اے دیس سے آنے والے بتا کِس حال میں ہیں یارانِ وطن

بغاوت پسند

میں اپنی جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ ان نادان، تنگ خیال اور سفلہ مزاج ملاؤں سے نفرت اور پرہیز کریں جو بغاوت پسند ہیں اور ناحق خون کر کے غازی بنتے ہیں۔ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ ۱۱۱)